اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

(Urdu Poetry Collection)

# Saa't-e-Hijr

**MuhammadAfzaRashid**

Edition: First 2015- 500

Retail Price: PKRs.250.00

Presentation: Urdu Sukhan

Nasir Malik, Chowk Azam-03027844094

ہمارا المیہ ناگفتنی ہے

ہمارے خواب مرتے جا رہے ہیں

# ساعتِ ہجر

محمد افضل راشدؔ

اُردو سخن

مکتبہ فکر و دانش، الحمد پلازہ، اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 0302-7844094

آرٹ لینڈ۔ گرلز کالج روڈ۔ چوک اعظم (ضلع لیہ) فون: 0606-372557

# ساعتِ ہجر

افضل راشد
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بھکر
فون نمبر:0333-8052309

اُردو سخن

استحقاق: تمام تصرفات "اردو سخن" کی تحویل میں ہیں
ناشر: اردو سخن ڈاٹ کام، پاکستان
نمودِ اول: 2015ء

کمپوزنگ: خضر حیات ڈلو
اہتمام اشاعت و سرورق: ناصر ملک
طباعت: شیر ربانی پریس، ملتان
قیمت: 250روپے (20یورو، 25ڈالر)

اُردو سخن

مکتبہ فکر و دانش، الحمد پلازہ، اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 0302-7844094
آرٹ لینڈ۔ گرلز کالج روڈ۔ چوک اعظم (ضلع لیہ) فون: 0606-372557
urdusukhan@hotmail.com www.urdusukhan.com

# انتساب

اپنے والدین کے نام

جنہوں نے مجھے

علم کی دولت سے مالامال کیا

# تقسیم


| | |
|---|---|
| پیش گفتار (محمد افضل راشد) | 9 |
| اردو شاعری ن م راشد سے افضل راشد تک (ڈاکٹر محمد اشرف کمال) | 11 |
| افضل راشد۔ ریگزار کی ایک توانا آواز (محمد علی) | 16 |
| "ساعتِ ہجر" کی کہانی (اقبال حسین) | 20 |
| | |
| کس قدر اِلتفات کرتا ہے (حمد) | 23 |
| حضورؐ مجھ پہ کرم عشق و آگہی کے لیے (نعت) | 25 |
| وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں آپؐ (نعت) | 26 |
| سلام | 27 |
| | |
| جب کبھی ہجر میں ڈھالا لمحہ | 29 |
| بے خطر دار تک چلے آئے | 31 |
| جانے کیا سحر ہے کہانی میں! | 33 |
| انتساب (نظم) | 35 |
| محبت (نظم) | 36 |
| متاعِ درد کو آزار سمجھے | 38 |
| جب حسنِ فسوں ساز سے گھائل ہوئی دنیا | 40 |
| چار سو رات ہونے والی ہے | 42 |
| شب کی آغوش میں پلے ہوئے ہیں | 44 |
| انتظار (نظم) | 46 |
| اس وقت اگر۔۔۔ (نظم) | 47 |
| خواہش (نظم) | 48 |
| دیدۂ اشکبار میں کچھ ہے | 49 |

| | |
|---|---|
| ترے حُسن کی ہے مصوری مری شاعری | 51 |
| رازِ سربستہ (نظم) | 53 |
| تمھارے نام (نظم) | 54 |
| پاگل (نظم) | 55 |
| بے کلی ہے تمھارے ہوتے بھی | 56 |
| دل کو دُکھ تو ہوتا ہے (نظم) | 57 |
| غمِ حیات سے آگے کہیں نکل آئے | 58 |
| بے سبب تو نہیں حیات کا غم | 60 |
| جو ملا ہے ملا وجود سے ہے | 62 |
| قحط الرجال (نظم) | 64 |
| کربِ احساس کی سولی پہ چڑھا کر رکھے | 66 |
| کیوں! (نظم) | 68 |
| ترے حسن میں تری چال میں کہیں کھو گیا | 69 |
| اس تماشے کا کیا کرے کوئی | 71 |
| حصارِ شب میں عجب روشنی سی رہتی ہے | 73 |
| رقصِ جنوں (نظم) | 75 |
| دکھ (نظم) | 77 |
| شکست (نظم) | 78 |
| بدل رہی ہے کہانی گُمان کہتا ہے | 79 |
| یوٹو پیا (نظم) | 81 |
| ہم تمہیں نہیں بھولے (نظم) | 82 |
| اجڑتے جا رہے ہیں گھر اُسے کہنا | 84 |
| ماورائے یقیں، گُماں تو ہے | 86 |
| یورشِ گردشِ اَیام سے وابستہ ہے | 88 |
| یہ پہلو امکان میں رکھا جا سکتا ہے | 89 |
| روگ (نظم) | 91 |

| | |
|---|---|
| شبِ ہجراں (نظم) | 93 |
| اس قدر مت بڑھا شناسائی | 95 |
| اس لیے وقفِ یاس ہے سائیں | 97 |
| قطعات | 99 |
| اعتراف (نظم) | 100 |
| یاد (نظم) | 101 |
| کبھی ایسا بھی ہوتا ہے! (نظم) | 102 |
| کب کٹے گا سفر بتا کچھ تو | 103 |
| تلخیِ ایام (نظم) | 104 |
| خواہشِ ناتمام (نظم) | 105 |
| اے صبا! اسے کہنا (نظم) | 107 |
| بے چراغ رستوں پر (نظم) | 108 |
| منظر خواب ہوئے جاتے ہیں | 109 |
| کتنے ساون بیتے (نظم) | 110 |
| زخم ناسور گر نہیں بنتا | 111 |
| فلک سے غم بے حساب آتے ہیں سو چنا ہے | 113 |
| تمھارے ہجر کا قصہ ہوں تُو تَو جانتا ہے | 114 |
| سیلابِ چناب ۲۰۱۴ء | 116 |
| جب تری بندگی میں رہتا ہے | 117 |
| تجھ بن (نظم) | 119 |
| کرچیوں کا وجود کہتا ہے | 120 |
| دھوپ کا سائبان ہے تو سہی | 121 |
| پشاور کے شہید طلبہ کے نام (۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء) | 122 |
| وحشتِ ہجر کا جلال، مجال | 123 |
| حدِ امکان سے باہر بھی نکل سکتا ہوں | 125 |
| شب تاریک سے جوڑ رگیا ہے | 127 |

# پیش گفتار

میرا شعری ذوق میری والدہ کا مرہونِ منت ہے۔ میری والدہ خٹک (پختون) فیملی سے تھیں اور اُنھوں نے مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی۔ ہمارے موضع میں بلکہ اِرد گرد کی بستیوں میں میری والدہ واحد خاتون تھیں جو پڑھنا لکھنا جانتی تھیں۔ ہمارے موضع (موندے والی) میں پرائمری اِسکول کا قیام بھی میری والدہ ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ یہ ۱۹۶۵ء کی بات ہے۔ جب اِسکول آگیا تو کوئی بھی اُس کے لیے زمین نہ دے رہا تھا۔ ہمارا گھر دو کچے کمروں پر مشتمل تھا۔ میرے والدین نے ایک کمرے کی عقبی دیوار میں دروازہ لگا کر وہ کمرا، اِسکول کے لیے وقف کر دیا اور یوں کم وبیش پندرہ سال ہمارا گھر درس وتدریس کا مرکز بنا رہا۔

یہ بات تو برسبیل تذکرہ ہوگئی۔ میری والدہ کو شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔ خصوصاً عظیم صوفی شاعر رحمٰن بابا (پشتو زُبان کے شاعر) کا تو سارا کلام اُنھیں اَزبر تھا۔ وہ گاہ گاہ ہمیں رحمٰن بابا کے شعر سناتیں اور اُن کا مطلب بھی سمجھاتیں۔ یوں میں شاعری سے متعارف ہوتا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ تعارف محبت اور محبت سے بڑھ کر جنون میں تبدیل ہوگیا اور پھر ایک دن مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ میں بھی شاعر

ہوں ۔کائنات،موضوعات سے اَٹی ہوئی ہے : حسن،عشق ،ہجر،وصال ،درد،کرب،تصوف،متبدل ذہنی رویے،اِنسان ،زندگی،موت محبت اور نفرت ،دہشت،ظلم،بربریت اور عدل ؛یہ سب موضوعات تقاضا کرتے ہیں کہ اِنھیں شعر کا پیرہن دیا جائے ۔

دو رِمابعد میں حُسن اور عشق میری شاعری کے بنیادی موضوعات رہے۔حُسن کی کامل صورت حُسنِ مطلق ہے اور عشق حُسنِ مطلق تک رسائی کی والہانہ اور مجذوبانہ کوشش ہے ۔میں نے ان ہی موضوعات کی مدد سے باقی تمام موضوعات اور مسائل کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہاں تک کامیاب ہوا ہوں ،اِس کا فیصلہ آپ کریں گے۔

میں اپنے شعری سفر میں بہت سے لوگوں کا اِحسان مند ہوں جن میں اللہ نواز شہانوی، اَثر گیلانی ،تنویر فائز،خضر عباس خان، اَلطاف اَشعر،حبیب اللہ نیازی ،ڈاکٹر اَشرف کمال ،منیر بلوچ، رضا حسین سیال، امیر اللہ خان ،نصیر احمد، اِفتخار طیب، راؤ ساجد،شہزاد ساجد،قلب عباس، امان اللہ کلیم، عطاء اللہ،منور احمد،عرفان عارف،ظفر عباس شکیل اَحمد، اِقبال حسین، شاہد بخاری ،افتخار حسین جعفری، امجد سعید، ڈاکٹر طاہر یعقوب، پروفیسر غلام حسین بھٹی اور 'بھکر ٹائمز' کے اَحباب خصوصاًواجد نواز ڈھول شامل ہیں ۔کچھ نام ایسے بھی ہیں جو اِنتہائی شکریہ کے مستحق ہیں لیکن اِظہار ممکن نہیں ۔میں ڈاکٹر محمد اسلم چھینہ اور اپنے ہم دمِ دیرینہ ڈاکٹر قمر عباس کا بھی اِنتہائی شکر گزار ہوں ۔اِن اَحباب کی محنت اور معاونت اِس قدر رہے کہ شکریہ کا لفظ بہت چھوٹا محسوس ہو رہا ہے ۔میں اپنے بیٹے محمد اُسامہ راشد کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ جس کے اِصرار پر شعری مجموعہ'ساعتِ ہجر' تکمیل کو پہنچا۔

محمد اَفضل راشد

گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بھکر

فون:0333-8052309

۲۵ ۔دسمبر ۲۰۱۴ء

# اردو شاعری ن م راشد سے افضل راشد تک

۱۹۲۵ء میں ن م راشد اور تصدق حسین خالد نے آزاد نظم کا آغاز کیا۔ ن م راشد اور میراجی نے اس حوالے سے ہیئتی اور معنویاتی تجربات کیے۔ ن م راشد کا شعری مجموعہ "ماورا" جو کہ ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا آزاد نظم کا پہلا مجموعہ تھا۔ شرر نے بھی آزاد نظم لکھیں۔ فیض احمد فیض، یوسف ظفر، مخمور جالندھری، مجید امجد، قیوم نظر، مختار صدیقی اور صفدر میر نے آزاد نظمیں لکھ کر اس صنف کو اعتبار بخشا۔

محمد افضل راشد کو میں دورِ طالب علمی سے جانتا ہوں۔ ایک دھیما، نرم خو اور ہنس مکھ انسان ۔۔۔۔۔ اور ایک اچھا انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا شاعر بھی ہے۔ آخر کار اب اُس کا غزل اور آزاد نظم کا مجموعہ ترتیب پا چکا ہے۔ "ساعتِ ہجر" کی بدولت اُس کی شاعری زیورِ طباعت سے مزین ہونے کو تیار ہے۔ پچھلے دس سال سے وہ اس مجموعے کو شائع کرانے کے لیے پَر تول رہے ہیں۔

ان دس برسوں میں جہاں زمانی و مکانی بہت سی تبدیلیاں وقوع پذیر ہو چکی ہیں وہاں شاعری میں بھی کئی اتار چڑھاؤ آ چکے ہیں۔ اب لوگ روایتی شاعری کو پسند نہیں کرتے بلکہ جو شعر نیا پن لیے ہوئے ہو یا جس میں کوئی انوکھی اور چونکا دینے والی بات ہو، وہی شعر زیرِ بحث آتا

ہے۔ بحث حق میں بھی ہوسکتی ہے مخالفت میں بھی اہمیت اس بات کی ہے کہ شاعری قارئین تک پہنچے اور اپنے ابلاغ میں کامیاب رہے۔ کتنا ہی بڑا شعر ہو اگر وہ ذہن در ذہن سفر نہیں کرتا تو اسے مقبولیت اور شہرت حاصل نہیں ہوسکتی۔ افضل راشد کی شاعری نے بھی دس برسوں میں بہت سا سفر طے کیا ہے اور جب وہ شعر سناتا ہے تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ کچھ نئی بات کر رہا ہے۔ کچھ نئے خواب تراش رہا ہے۔ محمد افضل راشد کی شاعری روایتی شاعری سے آگے بڑھ کر جدتوں کی منازل طے کرتی ہوئی ہمارے دور کے مختلف المیوں سے گلے ملتی نظر آتی ہے۔

ہمارا المیہ ناگفتنی ہے ہمارے خواب مرتے جا رہے ہیں

شاعر کے لیے وہ لمحہ تمام لمحوں میں قیمتی ہوتا ہے جب کہ اس پر اپنی ذات کا انکشاف ہوجائے۔ دنیا کی ہر چیز وقت کے پیمانوں میں قید ہے اور وقت لمحوں پر مشتمل ایک ایسا جال ہے جو ہمیں اور ہمارے ساتھ ہونے والے حادثات و واقعات کو باندھتا کھولتا گزرتا جا رہا ہے۔

جب کبھی ہجر میں ڈھلا لمحہ
منکشف خود پہ پھر ہوا لمحہ
زندگی کا وجود اتنا ہے
سانس روکے ہوئے کھڑا لمحہ

محمد افضل راشد کی شاعری میں زاویہ اظہار اور انداز بیان مین انوکھا پن پایا جاتا ہے۔ کچھ اشعار ایسے ہیں کہ جن کو کئی بار سن کر بھی اُن کی تازگی ختم نہیں ہوتی، اور ایسے اشعار بار بار سننے کے بعد بھی سماعتوں پر گراں نہیں گزرتے۔

ضبط کی سرحدیں تمام ہوئیں
زخم اظہار تک چلے آئے
خواب یوں سر پھرے ہوئے راشد
چشم بیدار تک چلے آئے

پیاس کے گرد ہی کہانی ہے
گرچہ اک نہر ہے کہانی میں

زندگی شاید ایک طویل نیند ہے جس میں ہم بہت کچھ وہ کرتے جا رہے ہیں جو ہم سے تقدیر کروا رہی ہے۔ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں اور کیا ہو جاتا ہے۔ ماضی، حال، مستقبل کسی پہ بھی ہم کو اختیار نہیں۔ ہم بیدار ہوتے ہوئے بھی بیدار نہیں ہیں۔ جو ہم کرنا چاہتے ہیں زندگی بھر نہیں کر پاتے۔

ہمیں ہے نیند میں چلنے کی عادت
زمانہ مت ہمیں بیدار سمجھے

اُس کے بعض شعر دعوتِ فکر دیتے ہیں اور اُس کے شعروں میں کئی گتھیاں الجھی نظر آتی ہیں، جو پڑھنے والے کو سلجھانے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اُس نے مختلف علامتوں اور اشاروں سے اپنا شعری نظام ترتیب دیا ہے، جس میں کہیں اُس نے زندگی کو، کہیں سفر کو، کہیں مسافت کو نشان زد کیا ہے اور کہیں انسان کی ازلی نارسائی کا المیہ بیان کیا ہے۔ اُس کے اس المیے کو کوئی "صاحبِ اسرار" ہی سمجھ سکتا ہے۔ یہ عام قاری کے بس کی بات نہیں۔

تھکا دیتی ہے لاحاصل مسافت
کوئی تو صاحب اسرار سمجھے

افضل راشد کی شاعری ماضی کو کھوجتی نظر آتی ہے۔ یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ ماضی میں جو کچھ کھو چکا ہوتا ہے اس کی تلاش میں عمر بتا دیتا ہے۔

جہاں بھسم ہو گئے خواب سب، سبھی خواہشیں
اُسی راکھ کو ہے کریدتی مری شاعری

افضل راشد کی شاعری زندگی کے راز کھولتی نظر آتی ہے۔ شاعر کی زندگی میں ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے کہ جب وہ ذات کے خول اور خول کے اندر خوال در خول خواہشوں کے طلسم سے جان چھڑا لیتا ہے۔ یہاں آ کر انسان اپنے ہونے یا نہ ہونے کے غم سے ماورا ہو جاتا ہے۔

غمِ حیات سے آگے کہیں نکل آئے
طلسمِ ذات سے آگے کہیں نکل آئے

حیات اور کائنات کے غم کو افضل راشد نے بھی اپنی شاعری میں خوب نبھایا ہے۔ ہم شوقِ رسوائی میں نہ جانے کون کون سے غموں کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں۔

بے سبب تو نہیں حیات کا غم
اس میں شامل ہے کائنات کا غم
جب زمیں آسمان بنتی ہے
گھیر لیتا ہے حادثات کا غم
رہن رکھی حیات لوگوں نے
اور لے آئے خواہشات کا غم

شاعر ایک حساس اور دلِ دردمند رکھنے والی شخصیت ہے جسے زندگی کے ہر موڑ پر مختلف قسم کے دکھ اور کرب سے واسطہ پڑتا رہتا ہے، اسے اپنی آگہی کی آگ میں تنہا جلنا پڑتا ہے۔ اور بعض اوقات اسے اپنے دکھ اوروں سے بھی چھپانے پڑتے ہیں۔

کربِ احساس کی سولی پہ چڑھا کر رکھے
ہم نے کچھ درد تو تجھ سے بھی چھپا کر رکھے

اُس کی شاعری میں جو استعارے اور علامتیں استعمال ہوئی ہیں، اس میں پرانی ڈگر سے بچ کر چلنے کی دانستہ کوشش کی ظہور پذیری جس انداز میں عمل انگیزی کے کی سرگرمی سے دوچار ہوئی ہے اُس نے قارئین کے لیے الفاظ و تراکیب کے نئے معنوی پیرہن تراشنے کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔

سانس لپٹی ہوئی بدن سے ہے
بات کوئی تو اس مزار میں ہے

مادہ اپنی ہئیت تبدیل کرتا رہتا ہے۔ بعض اوقات ایک وجود ٹوٹتا ہے تو سینکڑوں وجود جنم میں آجاتے ہیں۔ پوری کائنات کا نظام اسی ٹوٹ پھوٹ اور بننے جڑنے کی کہانی بیان کرتا ہے۔

کرچیوں کا وجود کہتا ہے
آئینہ ہاتھ سے گرا ہوگا

محمد افضل راشد کی شاعری پڑھ کر مجموعی احساس یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسے شاعر کی ذہنی کاوش ہے جس کے ہاں نظم اور غزل دونوں اصناف برتنے کا ڈھنگ موجود ہے۔ یہ ان کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ اگر وہ پہلے ہی وار میں قارئین کے دلوں کو تسخیر کر لینے میں سرخ رو ہو جاتے ہیں تو یہ ان کی ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ میری دعائیں اور نیک خواہشات اُن کے ساتھ ہیں۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال
صدر شعبہ اُردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ، کالج بھکر

# افضل راشد۔ ریگزار کی ایک توانا آواز

ہر شعری تجربہ اپنے اندر ایک واردات لیے ہوتا ہے جس کا عکس لاشعور سے شعور اور شعور سے قلم کی طرف سفر کرتا ہے اور اس کی آخری منزل صفحہ قرطاس ہوتی ہے۔ یہاں پر جو تصویر بنتی ہے اس سے سارا معاملہ کھل جاتا ہے کہ کس فنکار کو خالقِ حقیقی نے تزئین فطرت کی کتنی توفیق سے نوازا ہے۔ اگر شعر سچائی اور خلوص کا آئینہ دار ہے تو پزیرائی حاصل کرتا ہے، وگرنہ دیمک کا رزق بن جاتا ہے۔ افضل راشد کے اشعار سچائی و اخلاص اور اظہار و ابلاغ ہر دو سطحوں پر متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان اشعار میں ایک گنجلک پیرایہ اظہار اور پیچیدہ تراکیب سازی کے بجائے سادگی اور سلاست کو ترجیح دی گئی ہے۔ جس سے سہل ممتنع کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ ذیل کے اشعار شاعر کو ودیعت کی گئی اس توفیق کا پتہ دیتے ہیں جس کی موجودگی ادق سے ادق صورتِ حال کو سہولت سے پیش کر دینے کی صلاحیت کی نشاندہی کرتی ہے۔

اب تو لگتا ہے دوست بھی اپنے
دشمنوں سے کہیں ملے ہوئے ہیں

المیہ ہے کہ گھر کے سارے مکیں
گھر کی تقسیم پر تلے ہوئے ہیں

ان اشعار میں بات تو سادگی سے کر دی گئی ہے لیکن غور کرنے پر معنویت کی کئی پرتیں کھلیں گی۔ ہمارے شاعر کا پہلا شعری مجموعہ ہے لیکن اس کے شعری سفر کو دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ شاعر عرفانِ ذات کی منزل تک رسائی حاصل کر چکا ہے اور اب کربِ آگہی میں مبتلا کٹھن مراحل سے گزر رہا ہے۔

غمِ حیات سے آگے کہیں نکل آئے
طلسمِ ذات سے آگے کہیں نکل آئے
کربِ احساس کی سولی پہ چڑھا کر رکھے
ہم نے کچھ درد تو تجھ سے بھی چھپا کر رکھے

اور خوشی کی بات یہ ہے کہ شاعر کسی ماورائی دنیا میں تخیلاتی محل تعمیر کرنے کے بجائے جادہء احساس و ادراک کا راہی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ یہ تمام سلسلہ رنگ و بو وجود ہی سے عبارت ہے۔ اگر وجود نہ رہا تو کہانی تمام ہو جائے گی اور ہنگامہ ہائے وہو ختم ہو جائے گا۔ گویا افضل راشد شاعر (یعنی تخیلاتی دنیا کا فرد) ہونے کے باوجود فکری سطح پر اپنے تمام تر حواس کے ساتھ حقیقت کی دنیا کا فرد ہے اور دیوانگی کی شوریدہ خرامی کے ساتھ ساتھ فرزانگی کی چشمِ ہوشیار کا بھی حامل ہے۔

آگہی، عشق، عقل یا ادراک
جو بھی ہے سلسلہ وجود سے ہے
ہے یہ موجود اس لئے موجود
کہ تعلق جُڑا وجود سے ہے

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ شاعر اگر خواب نہ دیکھے تو وہ شاعر نہیں عام فرد ہے۔ ہر سچے شاعر کی طرح افضل راشد بھی تلخ حقائق کی موجودگی میں خواب دیکھنے کا عادی ہے تاکہ زندگی کا کوئی قرینہ کوئی ڈھب ہاتھ آسکے۔ خواب کی کیفیتیں جس طرح ابہام کی پرتیں لیے پھرتی ہیں تو ہماری معاصر شاعری انہی کیفیات کی غماض ہے۔ خصوصاً جدید نظم تو اپنی وقعت اور تفہیم کے قرینوں کے باوجود معنوی سطح پر گنجلک پیرایہ اختیار کر چکی ہے۔ لیکن افضل راشد کی ان خواب آگیں کیفیتوں میں بھی بے معنویت اور بے چہرگی نظر نہیں آتی۔ خصوصاً غزل میں تو وہ سیدھے سبھاؤ بات کرنے کا سلیقہ رکھتے

ہیں۔

ترے ہجر نے مری آنکھ میں تھا بُنا جسے
کوئی خواب تھا جو وصال میں کہیں کھو گیا

ہمارا المیہ نا گفتنی ہے
ہمارے خواب مرتے جا رہے ہیں

خواب یوں سر پھرے ہوئے راشد
چشمِ بیدار تک چلے آئے

پہلے اک خوابِ حسین آنکھ میں بُن دیتا ہے
پھر اسی خواب کو دیوار میں چُن دیتا ہے

آنکھوں کے عوض خواب تلک پہنچے اگر لوگ
تو خواب کی تعبیر میں حائل ہوئی دنیا

اس طرح تمام تر غمِ دوراں اور تجرباتِ زندگانی کی کڑواہٹوں کے ذائقے چکھنے اور دوسروں کے حلق میں اُنڈیلنے کے باوجود شاعر کا بنیادی منصب محبت ہی ہوتا ہے۔ دراصل رومانس وہ دھرا ہے جس کے گرد شاعری کا پہیہ گھومتا ہے۔ افضل راشد کے ہاں بھی مضامین نو بہ نو اسی مرکز کا طواف کرتے ہیں مگر تکرار کے ساتھ نہیں بلکہ متنوع آوازوں کے ساتھ اور یہ بوقلمونی و رنگا رنگی افضل راشد کی شاعری میں ایک محبت بھرے گلشن کو ترتیب دیتی ہے۔

بے سبب تو نہیں آشفتہ سری، بے خبری
عشق نے حسن کو آوارہ کہیں دیکھا ہے

جب کبھی ہجر میں ڈھلا لمحہ
منکشف خود پہ پھر ہوا لمحہ

کھو گیا تیری ذات میں آخر
دیر تک خود کو ڈھونڈتا لمحہ

ہمیں ہے نیند میں چلنے کی عادت
زمانہ مت ہمیں بیدار سمجھے

تھکا دیتی ہے لاحاصل مسافت
کوئی تو صاحبِ اسرار سمجھے

کئی روگ ہیں، کئی رنگ ہیں، کئی راگ ہیں
کہ ہے شہرِ درد کی بانسری مری شاعری

کب کسی فکر سے عبارت ہے
دل ترے ذکر سے عبارت ہے

اُمیدِ واثق ہے کہ ریگزارِ تھل میں افضل راشد کی آواز ایک توانا اور خوبصورت لہجے کی حامل آواز ثابت ہوگی۔

محمد علی بخاری
جی سی نمبر 1، ڈیرہ اسمٰعیل خان

# ”ساعتِ ہجر“ کی کہانی

کہانی جب بھی کبھی ختم ہونے لگتی ہے
کہیں سے پھر کوئی کردار آ ٹپکتا ہے

اس کہانی کا استعاراتی حوالہ مختلف مقامات پر مختلف صورتوں میں افضل راشد کی شاعری میں ظہور کرتا ہے۔ کہانی ان لوگوں کی ہے موت جن کی اولین ترجیح ہو لیکن کہیں سے حفاظتی حصار کا کردار آ ٹپکے۔ یہ کرب اُن لوگوں کا بھی ہے جن کی شنوائی نہیں ہوئی۔ جنھیں چپ سادھ لینی پڑی۔ یہ اُسی کہانی کا مذکور ہے جو ہم سب کو درپیش ہے جو ہر انسان کی سرگزشت ہے جو آفرینش و تخلیق آدم کا سرآغاز ہے۔ یہ وہی کہانی ہے نہر کا کنارہ جس کا آخری پڑاؤ ہے اور کلائمیکس بھی۔ کچھ کردار تیرگی سے نبرد آزما مطلعِ تاریخ پر مہر و ماہ کی صورت متشکل ہوئے۔

تیرگی حاصلِ سفر جب کہ
ماہ ہے، مہر ہے، کہانی میں
پھر دھوپ کا نا مختتم پہرا اور برسرِ آب پیاس کا پہرہ۔

دھوپ کا سلسلہ بتاتا ہے
ایک ہی پہر ہے کہانی میں
پیاس کے گرد ہی کہانی ہے
گرچہ اک نہر ہے کہانی میں

کتاب پڑھتے ہوئے اکثر مقامات پر یوں لگا جیسے تمام دنیا گوش بر آواز ہے۔ حتیٰ کہ حواسِ خمسہ بھی۔

ہمیں ہے نیند میں چلنے کی عادت
زمانہ مت ہمیں بیدار سمجھے
خواب یوں سر پھرے ہوئے راشد
چشمِ بیدار تک چلے آئے

کیوں اُٹھ گئی دنیا سے محبت ارے لوگو
کیوں رنگ، روایات، قبائل ہوئی دنیا

فراق گورکھپوری نے کہا تھا ''لکھنے کا واحد مقصد پڑھنے والے کو زندگی سے زیادہ قریب ہونے یا زندگی کو بہتر طریقے پر برداشت کرنے کے لائق بنایا جائے۔'' ممتاز حسین کے بقول'' بہترین اسلوب اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ لکھنے والا اپنے اسلوب سے بے خبر اور اپنی شخصیت سے باخبر ہوتا ہے۔'' اگر ہم اپنے شعرا کی انفرادیت کو درج بالا اقوال کی کسوٹی پر پرکھیں اور ان کے تخیل کا تجزیہ، محاکمہ اور نفسیاتی کیفیات کا احاطہ اور محاسبہ کریں تو عہد ساز اور مرکزی دھارے کی حیثیت کے حامل شعرا کے شمار کے لیے دو انگلیوں کی پوریں شاید زیادہ ٹھہریں۔ جب کہ تاریخِ ادب میں اکثریوں بھی ہوا ہے کہ گہر آبدار قرار پانے والے سرمایہ شعری میں سے بیشتر موتی بعد ازاں محض خزف ریزے ہی ثابت ہوئے۔

میں افضل راشد کی شعری کائنات کی بابت کوئی بلند بانگ دعویٰ نہیں کرنا چاہتا لیکن اس قدر کہنا واجب سمجھتا ہوں کہ وہ تہذیب کیے گئے جذبات کی شاعری ہے۔ یہ شاعری ادب آداب سے صیقل محبت پر مبنی لمحات کی شیرازہ بندی ہے۔ اگر کسی نے خیال کو مصور دیکھنا ہو، تصویر سے مجسم وصل کشید کرنا ہو، تو اسے چاہیے ''ساعتِ ہجر'' کے ساتھ کچھ وقت گزارے۔

اقبال حسین

۰۱۔۰۱۔۲۰۱۵

## حَمد

کس قدر اِلتفات کرتا ہے
خوگرِ حمد و نعت کرتا ہے

ڈھال دیتا ہے رات کو دن میں
اور پھر دن کو رات کرتا ہے

دل کو کرتا ہے درد سے مملو
آنکھ کو، شش جہات کرتا ہے

ذرے ذرے کو دے کے رعنائی
کیسے تشہیرِ ذات کرتا ہے

اُس کی قدرت محیط ہے سب کو
سب کی چالوں کو مات کرتا ہے

جب پکارے اُسے کوئی راشدؔ
حال سنتا ہے، بات کرتا ہے

# نعت

حضورؐ مجھ پہ کرم عشق و آگہی کے لیے
بھٹک رہا ہوں مسلسل میں روشنی کے لیے

حضورؐ وحشت و ظلمت میں گھِر گئی دنیا
زمین تنگ ہوئی امن و آشتی کے لیے

حضورؐ آپ کی رحمت سے دور ہو تو پھر
متاعِ زیست جہنم ہے آدمی کے لیے

حضورؐ آپ کی معراج حق تعالیٰ ہے
حضورؐ آپ ہیں معراج زندگی کے لیے

ہوئے ہیں آپ کی خاطر ہی خلق کون و مکاں
سجی ہوئی ہے یہ محفل تو آپؐ ہی کے لیے

وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں آپؐ
حاصلِ مقصدِ حیات ہیں آپؐ

آپؐ نے تیرگی کو خام کیا
آپؐ نے روشنی کو عام کیا

آپؐ نے قلب کو ضیا بخشی
آپؐ نے آنکھ کو حیا بخشی

آپؐ نے عجز کو مقام دیا
آپؐ نے نُطق کو کلام دیا

آدمیت کو عظمتیں بخشیں
ذکرِ خالق کو رِفعتیں بخشیں

## سلام

معرکۂ خیر و شر ہے کربلا
روشنی کا مستقر ہے کربلا

داستاں ہے عشق کے معراج کی
اور تکمیلِ سفر ہے کربلا

جانتے تھے اشقیا یہ بات بھی
یہ شہِ والا کا گھر ہے کربلا

اک قیامت میں ہے قلبِ کائنات
چشمِ ہستی خوں میں تر ہے کربلا

خاک میں ہیں سر بہ سر سارے یزید
نوکِ نیزہ جب سے سر ہے کربلا

کب بساطِ درد میں آئے یہ کرب
کرب کے افلاک پر ہے کربلا

فکر کو راشدؔ بصیرت چاہیے
آگہی کے بام پر ہے کربلا

جب کبھی ہجر میں ڈھلا لمحہ
منکشف خود پہ پھر ہوا لمحہ

کتنا بے بس دکھائی دیتا ہے
درد سے ہارتا ہوا لمحہ

کھو گیا تیری ذات میں آخر
دیر تک خود کو ڈھونڈتا لمحہ

کم نہیں صورِ اسرافیل سے یہ
چار سو چیختا ہوا لمحہ

ہو گئے خلق لا مکاں سے مکاں
کن فیاکوں میں ڈھل گیا لمحہ

جانے کب میرے پاس لوٹ آئے
دیر سے دربدر ہوا لمحہ

نقش بُننے لگا ہے وحشت کے
میری آنکھوں میں بھیگتا لمحہ

زندگی کا وجود اتنا ہے
سانس روکے ہوئے کھڑا لمحہ

کیوں نہیں اختیار میں میرے!
وصل کی ڈور سے بندھا لمحہ

بے خطر دار تک چلے آئے
جو درِ یار تک چلے آئے

گھاؤ ایسا تھا دیکھنے جس کو
یار اغیار تک چلے آئے

جیت اس کی، ہماری ہار میں تھی
اس لیے ہار تک چلے آئے

ضبط کی سرحدیں تمام ہوئیں
زخم اظہار تک چلے آئے

دشمنی میں، غرورِ وحشت میں
کچھ عدو غار تک چلے آئے

اک ستم ہے کہ فیصلے گھر کے
بیچ بازار تک چلے آئے

خواب یوں سر پھرے ہوئے راشدؔ
چشمِ بیدار تک چلے آئے

بے سبب تو نہیں آشفتہ سری، بے خبری
عشق نے حسن کو آوارہ کہیں دیکھا ہے

جانے کیا سحر ہے کہانی میں!
شہر کا شہر ہے کہانی میں

دھوپ کا سلسلہ بتاتا ہے
ایک ہی پہر ہے کہانی میں

تیرگی حاصلِ سفر جب کہ
ماہ ہے مہر ہے کہانی میں

پیاس کے گرد ہی کہانی ہے
گرچہ اِک نہر ہے کہانی میں

سارے کردار نیلے پیلے ہیں
کس قدر زہر ہے کہانی میں

فاعلاتن، مفاعلن، فعلن
کیا حسیں بحر ہے کہانی میں

مستقل کرب سے نکال مجھے
اے محبت ذرا سنبھال مجھے

# انتساب

تیرگی کے جنگل کو
آفتاب کیا لکھتا
زخم زخم لفظوں کا
انتخاب کیا لکھتا
پھر اُجاڑ آنکھوں کو
شہرِ خواب کیا لکھتا
اپنے دکھ کا تیرے نام
انتساب کیا لکھتا

# محبت

ذرا سی بات پر اکثر
تمہارا یوں خفا ہونا
ہمیں اچھا نہیں لگتا
ترا کہنا!
محبت روٹھنے کا پھر منانے کا فسانہ ہے
تجھے معلوم ہی کب ہے!
محبت تو رفیع کے یا لتا کے یا حسیں نورِ جہاں کے
مدھ بھرے گیتوں کا حاصل ہے

محبت تو پکاسو کی حسیں تصویر ہے جاناں
محبت تو مری جاں!
ورتھ کی فطرت شناسی ہے
محبت تو شگوفوں کا چٹک کر پھول بننا ہے
محبت تو غبارِ کارواں کی دھول بننا ہے
محبت تو ندیدہ آگ سے دائم
جھلسنے کی کہانی ہے
محبت تو ندی کے پانیوں کی سی روانی ہے
محبت پوہ کی یخ بستہ شب میں
چاندنی کی دودھیا اور شبنمی چادر میں لپٹی
مونالیزا کے لبوں کی مسکراہٹ ہے
محبت تو کسی سقراط کا اک جام ہے جاناں
محبت تو فنائے ذات ہی کا نام ہے جاناں
ذرا سی بات پر اکثر
تمھارا یوں خفا ہونا
ہمیں اچھا نہیں لگتا

متاعِ درد کو آزار سمجھے
کہاں وہ عشق کو سرکار سمجھے

حوادث میں گھرا ہے قافلہ کیوں!
کبھی تو قافلہ سالار سمجھے

ہمیں ہے نیند میں چلنے کی عادت
زمانہ مت ہمیں بیدار سمجھے

تھکا دیتی ہے لاحاصل مسافت
کوئی تو صاحبِ اسرار سمجھے

نگاہوں نے کہا دل کا فسانہ
نہ سمجھے تم، مگر اغیار سمجھے

یہ جُنبش ابروؤں کی کشتنی ہے
نگاہِ یار کے بیمار سمجھے

جب حسنِ فسوں ساز سے گھائل ہوئی دنیا
تب عشقِ بلا خیز پہ مائل ہوئی دنیا

جب درد کی دولت سے تہی دست ہوئے لوگ
پھر اس کی مسیحائی کی قائل ہوئی دنیا

آنکھوں کے عوض خواب تلک پہنچے اگر لوگ
تو خواب کی تعبیر میں حائل ہوئی دنیا

کیوں اٹھ گئی دنیا سے محبت ارے لوگو!
کیوں رنگ، روایات، قبائل ہوئی دنیا

اُس پیکرِ گلفام سے جب آنکھ لڑی تو
راشدؔ کے لیے حورِ شمائل ہوئی دنیا

پہلے اِک خوابِ حسیں آنکھ میں بُن دیتا ہے
پھر اُسی خواب کو دیوار میں چُن دیتا ہے

چار سو رات ہونے والی ہے
پھر کوئی بات ہونے والی ہے

درد ہونے لگا ہے بے پروا
درد کو مات ہونے والی ہے

منکشف میری ذات کے اندر
آپ کی ذات ہونے والی ہے

روشنی کی کوئی سبیل کرو
دشت میں رات ہونے والی ہے

مفلسی سے کہو نہ گھبرائے
بے بسی ساتھ ہونے والی ہے

عقل کی فکر کیجئے کہ یہ عقل
صرفِ جذبات ہونے والی ہے

ایک دولت تھی دردِ دل وہ بھی
نذرِ حالات ہونے والی ہے

شب کی آغوش میں پلے ہوئے ہیں
روشنی میں مگر ڈھلے ہوئے ہیں

اب تو لگتا ہے دوست بھی اپنے
دشمنوں سے کہیں ملے ہوئے ہیں

المیہ ہے کہ گھر کے سارے مکیں
گھر کی تقسیم پر تلے ہوئے ہیں

چھاچھ پیتے ہیں پھونک پھونک کہ ہم
دوستو! دودھ کے جلے ہوئے ہیں

ہم ہی مجرم، قصوروار بھی ہم
آپ تو دودھ کے دھلے ہوئے ہیں

عشق کے سلسلے وہی ہیں مگر
جسم کی آگ میں جلے ہوئے ہیں

## انتظار

پھر دلِ فسردہ کو
بے قرار کرنا ہے
پھر اجاڑ آنکھوں کو
اشکبار کرنا ہے
پھر تمھاری باتوں کا
اعتبار کرنا ہے
عمر بھر یوں ہی تیرا
انتظار کرنا ہے

## اُس وقت اگر۔۔۔

جب نیند سے بوجھل یہ آنکھیں
صدیوں کی تھکن کو اوڑھ چکیں
جب دھڑکنیں اس دلِ پاگل کی
اُس دل ہی سے ناتا توڑ چکیں
اُس وقت اگر تم آؤ تو کیا
اور آ کے بہت پچھتاؤ تو کیا

# خواہش

ستم گروں کے شہر میں
کوئی تو ہو
کہ جس کی آرزو میں ہم
سبھی دکھوں کو سہہ سکیں
کوئی تو ہو
کہ جس کو اپنا کہہ سکیں

دیدۂ اشکبار میں کچھ ہے
ہجر کے خارزار میں کچھ ہے

جو گیا جان سے گیا آخر
عشق کی رہگذار میں کچھ ہے

یا مرا غم ہی لادوا ٹھہرا
یا مرے غم گسار میں کچھ ہے

شہر سارا کھڑا ہے چشم براہ
آپ کے انتظار میں کچھ ہے

جان وارے ہیں سنبل و ریحاں
شکنِ زلفِ یار میں کچھ ہے

گم ہے ہر شخص فکرِ دنیا میں
ہو نہ ہو اس غبار میں کچھ ہے

سارے رستے ادھر کو جاتے ہیں
ایسا کیا شہرِ یار میں کچھ ہے

جو ترا حکم، جو تری مرضی
کب مرے اختیار میں کچھ ہے

ترے حُسن کی ہے مصوری مری شاعری
مرے عشق کی ہے یہ نغمگی مری شاعری

کبھی تیری زُلف کے پیچ وخَم میں الجھ گئی
کبھی میرے دل سے ہے کھیلتی مری شاعری

کبھی لفظ لفظ کمالِ ضبط کا سلسلہ
کبھی حرف حرف چھلک پڑی مری شاعری

کئی روگ ہیں، کئی رنگ ہیں، کئی راگ ہیں
کہ ہے شہرِ درد کی بانسری مری شاعری

جو ترے حضور ہو معتبر تو زہے نصیب
جو نہیں تو پھر نہیں شاعری مری شاعری

جہاں بھسم ہو گئے خواب سب، سبھی خواہشیں
اُسی راکھ کو ہے کریدتی مری شاعری

ہے کسی کا عکس جمال ہی یہاں چار سو
پسِ عکس ہے کہیں چاندنی مری شاعری

## رازِ سربستہ

خوشی کی جستجو تھی اور عمر بھر
قدم قدم ملال تھے نہیں کھلا
چلے تھے جس کی آرزو میں آپ ہم
وہ کیسے ماہ و سال تھے نہیں کھلا
ترے وصال سے ترے فراق تک
کئی کٹھن سوال تھے نہیں کھلا
تمام عمر کٹ گئی مگر کہاں
سفر کے خدوخال تھے نہیں کھلا

## تمھارے نام

یہ مہیب سناٹا
یہ اجاڑ تنہائی
درد پھر بڑھا دل کا
پھر یہ آنکھ بھر آئی
آج بھی نجانے کیوں!
تیری یاد ہی آئی

# پاگل

وہ بھی کتنا پاگل تھا
عمر کی خوشی دے کر
ایک شامِ غم دے کر
روٹھ کر گیا تو پھر
لوٹ کر نہیں آیا
ہم بھی کتنے پاگل ہیں
بھول کر سبھی خوشیاں
اس کی دی ہوئی راشد
شامِ غم میں جیتے ہیں

بے کلی ہے تمھارے ہوتے بھی
کچھ کمی ہے تمھارے ہوتے بھی

جانے کیوں آنکھ آج بھی شب بھر!
جاگتی ہے تمھارے ہوتے بھی!

وصل کی ایک شب ملی وہ بھی!
ڈھل گئی ہے تمھارے ہوتے بھی

تیرگی دیکھ صبح کی دستک!
ہو رہی ہے تمھارے ہوتے بھی

## دل کو دُکھ تو ہوتا ہے

جب کبھی کبھی یوں ہی
بیتے لمحوں کی یاد یں
تیرا ذکر کرتی ہیں
دل کو دکھ تو ہوتا ہے
جب بھی شام کو پنچھی
لَوٹ لَوٹ آتے ہیں
اور تم نہیں آتے
دل کو دکھ تو ہوتا ہے
جب فراق کا موسم
جب اجاڑ تنہائی
آنکھ میں ٹھہر جائے
دل کو دکھ تو ہوتا ہے
تم تو ہمسفر تھے پھر
دو قدم کا ساتھی بھی
راستہ بدلتا ہے
دل کو دکھ تو ہوتا ہے

غمِ حیات سے آگے کہیں نکل آئے
طلسمِ ذات سے آگے کہیں نکل آئے

یہ دل نہیں تری باتوں میں آنے والا اب
کہ تیری گھات سے آگے کہیں نکل آئے

پلٹ کے جانا بھی ممکن نہیں رہا ہے کہ ہم
رہِ نجات سے آگے کہیں نکل آئے

چہار سَمت مرے بددعا کا پہرہ ہے
ہم التفات سے آگے کہیں نکل آئے

خفا ہیں ان پہ بہت گردشیں زمانے کی
جو شش جہات سے آگے کہیں نکل آئے

عجیب حبس کا عالَم ہے دل کی بستی میں
ترا خیال، نہ تیری طلب، نہ رسمِ جنوں

بے سبب تو نہیں حیات کا غم
اس میں شامل ہے کائنات کا غم

جب زمیں آسمان بنتی ہے
گھیر لیتا ہے حادثات کا غم

رہن رکھی حیات لوگوں نے
اور لے آئے خواہشات کا غم

مجھ کو اپنے غموں کا رونا ہے
ہے اسے اپنی مشکلات کا غم

کیو ں الجھتے ہیں چار سو پیہم
آپ کی جیت، میری مات کا غم

آدمی کو یہاں تلک راشد
کھینچ لایا ہے ممکنات کا غم

جو ملا ہے ملا وجود سے ہے
پھر بھی ہم کو گلہ وجود سے ہے

ہے یہ موجود ، اس لیے موجود
کہ تعلق جُڑا وجود سے ہے

آگہی، عشق، عقل یا ادراک
جو بھی ہے سلسلہ وجود سے ہے

ہم کو اپنی خبر، پتہ اپنا
جب ملا ہے ملا وجود سے ہے

نطق کا بھی کمال ہے لیکن
ذکرِ صلِ علیٰ وجود سے ہے

عجب کردار تھے ہابیل قابیل
ابھی تک اس کہانی کا سفر، ہم

# قحط الرجال

عجب سماں ہے
سوادِ ہستی دھواں دھواں ہے
نہ روشنی ہے، نہ چاند کوئی، نہ کوئی سورج
تمام منظر دھوئیں کی چادر میں کھو گئے ہیں
فقط اداسی ہے بے بسی ہے
ہوا کے رخ کو کوئی تو موڑے
کوئی تو ہو جو
سیاہ شب کے

مہیب چہرے سے
ظلمتوں کا نقاب نوچے
کوئی تو سوچے
کہ زندگی یوں اجاڑ کیوں ہے!
قدم قدم روشنی کو آخر
نگلنے والا سحاب کیوں ہے!
سحر پہ آخر عذاب کیوں ہے!
محبتوں کی مسافتوں میں
چناب کیوں ہے؟
نصابِ آدم میں وحشتوں کا یہ باب کیوں ہے!
کوئی تو سوچے
کوئی تو ہو پھر
جو زندگی کی مسافتوں پر
محیط تیرہ شبی کو حرفِ غلط کی صورت مٹا کے رکھ دے
کوئی تو مہر و وفا کی شمعیں
قدم قدم پر جلا کے رکھ دے

کربِ احساس کی سولی پہ چڑھا کر رکھے
ہم نے کچھ درد تو تجھ سے بھی چُھپا کر رکھے

یہ نہ ہو دل ہی بغاوت پہ اتر آئے کہیں
اس کو لازم ہے اسے اپنا بنا کر رکھے

دل کو سمجھاؤ کہ آدابِ محبت سیکھے
دولتِ درد کو پہلو میں چُھپا کر رکھے

تیری خاطر دلِ ویران کی آرائش کی
اور پلکوں پہ کئی دیپ جلا کر رکھے

عشق سا ظرف کہاں حسن کے بس میں راشدؔ
دشمنِ جاں کو جو سینے سے لگا کر رکھے

اُس نے دیکھا ہے پیار سے جب سے
دھڑکنیں محوِ رقص ہیں تب سے

## کیوں!

صدائے رفتگاں سہی
غبارِ کارواں سہی
یہ دل یہ میری چشمِ تر
فقط دھواں دھواں سہی
جو تیرے ساتھ کٹ گئی
وہ عمر رائیگاں سہی
تری نگاہ غیر پر
بہت ہی مہرباں سہی
گلہ نہیں کچھ آپ سے
یہ رنگِ آسماں سہی
مجھے تو اس قدر بتا
کہ تو بدل گیا تو کیوں!
متاعِ غم سے مضمحل
یہ دل سنبھل گیا تو کیوں!!

ترے حسن میں تری چال میں، کہیں کھو گیا
مرا دل بھی تیرے خیال میں کہیں کھو گیا

ترے ہجر نے مری آنکھ میں تھا بُنا جسے
کوئی خواب تھا جو وصال میں کہیں کھو گیا

اُسے بے قرار سا دیکھ کر دلِ مضطرب
مرا درد اس کے ملال میں کہیں کھو گیا

جسے لب پہ لائے قیامتوں سے گزر گزر
وہ سوال دستِ سوال میں کہیں کھو گیا

دلِ بے خبر، تجھے کیا خبر، مرے کرب کی
مرا سب سفر، تری بھال میں کہیں کھو گیا

میں کہاں، کہاں تری رہگذر ترا سامنا!
میں تو رعبِ حسن و جمال میں کہیں کھو گیا

سنا ہے شہرِ محبت میں خوب رونق ہے
تمھارا ساتھ اگر ہو وہاں سے ہو آئیں

اس تماشے کا کیا کرے کوئی
جب کہ مر مر جیا کرے کوئی

ایک حیرت کدہ ہے یہ دنیا
بابِ حیرت کو وا کرے کوئی

ریت کے گھر بنا دیے اس نے
ان میں کیوں کر رہا کرے کوئی

کیسے گزرے قیامتوں سے کوئی
کیسے تجھ بن رہا کرے کوئی

مسکراتے ہیں خال و خد اس کے
دل کو جب آئینہ کرے کوئی

منزلِ حسن کے لیے راشدؔ
عشق کو راستہ کرے کوئی

جب محبت اڑان بھرتی ہے
کیوں زمان و مکاں لرزتے ہیں

حصارِ شب میں عجب روشنی سی رہتی ہے
جمالِ یار سے جب آگہی سی رہتی ہے

تمھارا وصل ہی عینِ حیات ہے تو کیوں!
تمھارے ہوتے ہوئے تشنگی سی رہتی ہے

یہ کون ہیں جو جلاتے ہیں تیرگی میں چراغ
دیے بجھاتی ہوا سوچتی سی رہتی ہے

تمھاری یاد کے جگنو دھمال ڈالتے ہیں
سکوتِ شب میں عجب نغمگی سی رہتی ہے

ہوا ہے جب سے مرا دل اسیرِ الفتِ دوست
سوادِ جسم میں اک بے خودی سی رہتی ہے

کب کسی فکر سے عبارت ہے
دل ترے ذکر سے عبارت ہے

# رقصِ جنوں

جب تلک سانس کا
جسم و جاں سے ذرا سا تعلق رہا
جب تلک دھڑکنوں کا
دلِ نیم جاں سے
محبت کا رشتہ پنپتا رہا
جب تلک درد پہلو میں
ہنستا رہا مسکراتا رہا
جب تلک آنکھ کی جھیل پر مہرباں
آنسوؤں کے کلس

جگمگاتے رہے
جب تلک آس کے
جلتے بجھتے دیے
جلتے بجھتے رہے اور بجھ نہ گئے
ہم تری راہ کے
خار چنتے رہے
خواب بُنتے رہے
خواب بُنتے رہے

کہانی جب بھی کبھی ختم ہونے لگتی ہے
کہیں سے پھر کوئی کردار آٹپکتا ہے

## دکھ

روشنی کے شہروں میں
رونقوں کے میلے میں
اک اُجڑتی بستی کی
فکر کون کرتا ہے!
دوستوں کے جھرمٹ میں
چاہتوں کی بارش میں
ہم اداس لوگوں کا
ذکر کون کرتا ہے!

## شکست

کبھی کبھی تو یوں ہوا
کہ تیرے انتظار میں
تمام رات
ہم نے جاگ جاگ کر گزار دی
سحر ہوئی تو یوں لگا
کہ جیسے ہم نے آج بھی
متاعِ جان ہار دی

بدل رہی ہے کہانی گُمان کہتا ہے
ہوا چلے گی سُہانی گُمان کہتا ہے

اسی سے ہونی ہے سیراب فصلِ غم آخر
یہ آنکھ میں ہے جو پانی گُمان کہتا ہے

اُجالنا ہے مَسافت کے خال و خد کو اگر
پڑے گی گرد ہٹانی گُمان کہتا ہے

اَزل سے حسن نے سیکھا نہیں بجز اِس کے
قیامتیں ہی تو ڈھانی گُمان کہتا ہے

عجیب بارِ امانت ہے صورتِ محشر
یہ جسم و جاں کی گرانی گُمان کہتا ہے

حصولِ خواہش منزل میں جاں بھی دے دیں گے
مسافروں نے ہے ٹھانی گُمان کہتا ہے

اُجاڑ پہلے کہاں تھیں یہ بستیاں راشدؔ
ہوئی ہے نقل مکانی گُمان کہتا ہے

# یوٹوپیا

درد و غم کی کسی انجمن سے پرے
کوہکن سے پرے
تیرہ و تار شب کے ستم سے پرے
دشتِ غم سے پرے
بے یقیں چاہتوں راحتوں سے پرے
نفرتوں سے پرے
دکھ کی راشد سبھی حالتوں سے پرے
وحشتوں سے پرے
سکھ کا اک شہر ہو
جس میں کوئی کبھی
آب دیدہ نہ ہو
غم رسیدہ نہ ہو
سر بریدہ نہ ہو
میری سوچوں سے بھی
ماورا شہر ہو
سُکھ کا اِک شہر ہو

## ہم تمہیں نہیں بھولے

جب کبھی، کہیں ساون
ٹُوٹ کر برستا ہے
جب بہار کا موسم
اِس اُجاڑ دھرتی کے
خالی خالی دامن کو
رنگ اور خوشبو کی
روشنی سے بھرتا ہے

جب بھی چاند راتوں میں
دکھ تمھاری چاہت کا
اس اداس جیون کی
رُوح میں اترتا ہے
جب اُجاڑ رستوں پر
مضمحل مسافر سے
ہمسفر بچھڑتا ہے
اُس گھڑی یہ پاگل دل
جانے کتنی شدت سے
تجھ کو یاد کرتا ہے

تمام شہر نے دیکھا تھا آنکھ بھر کے اسے
تمام شہر کی آنکھیں ہی لے گیا وہ شخص

اجڑتے جا رہے ہیں گھر اُسے کہنا
یہاں آباد ہے اب ڈر اُسے کہنا

عجب پُر ہول سناٹا ہے بستی میں
لرزتے ہیں ہوا سے در اُسے کہنا

سجائے جا رہے ہیں چار سو مقتل
محبت ہے لہو میں تر اُسے کہنا

کنول جن پانیوں پہ رقص کرتے تھے
وہاں اب تیرتے ہیں سر اُسے کہنا

کسی صبحِ تجلی کی طلب میں ہیں
دھواں ہوتے ہوئے منظر اُسے کہنا

ہزار ضبط کریں لاکھ دل کو سمجھائیں
بچھڑنے والوں کا دل کو ملال ہے تو سہی

ماورائے یقیں ، گُماں تو ہے
لامکاں کا کہیں مکاں تو ہے

آسماں کچھ نہیں مگر پھر بھی
سات رنگوں کی داستاں تو ہے

بے تعلق سا اِک تعلق بھی
آپ کے میرے درمیاں تو ہے

کیا خبر رات کٹ ہی جائے کہیں
درد پھر آج مہرباں تو ہے

چھاؤں رستے میں گر نہیں نہ سہی
دھوپ کا سر پہ سائباں تو ہے

خیر ہو سَیلِ عشق کی راشد
شہر کا شہر درمیاں تو ہے

بدلتا رہتا ہے کیوں رنگِ آسماں پیہم
کیا آسماں پہ کوئی آسماں مسلط ہے

یورشِ گردشِ ایام سے وابستہ ہے
زندگی حسرتِ ناکام سے وابستہ ہے

درد کی صورتِ اِلہام سے وابستہ ہے
وہ کہانی جو ترے نام سے وابستہ ہے

تیز آندھی نے زمیں بوس کئے نخلِ بلند
ساعتِ ہجر اُسی شام سے وابستہ ہے

لوگ تھک ہار کے لوٹ آتے ہیں گھر کی جانب
جانے کیا ایسا در و بام سے وابستہ ہے

یہ پہلو امکان میں رکھا جا سکتا ہے
سانس کو جسم و جان میں رکھا جا سکتا ہے

خواہش کو ارمان بنایا جا سکتا ہے
خود کو بھی نقصان میں رکھا جا سکتا ہے

دل میں اس کی یاد بسائی جا سکتی ہے
پھولوں کو گل دان میں رکھا جا سکتا ہے

چوری کا الزام لگانے کی خاطر بھی
اِک برتن سامان میں رکھا جاسکتا ہے

جیون ہے دشوار بہت دشوار مگر سن
مشکل کو آسان میں رکھا جاسکتا ہے

غم بھی ہے راشدؔ سوغات محبت کی
غم کو بھی احسان میں رکھا جاسکتا ہے

جتنا ملنا تھا مل لیا تجھ سے
اور بھی خواہشیں وجود کی ہیں

# روگ

عجب شہرِ محبت ہے
عجب دنیائے وحشت ہے
کہ جو اپنے مکینوں کو
نہ رکنے دے نہ بڑھنے دے
نہ جینے دے نہ مرنے دے
نہ بیتے موسموں کے منظروں کی یاد کو
دل سے اترنے دے
نہ دل کے درد کو حد سے گزرنے دے
عجب شہرِ محبت ہے

عجب دنیائے وحشت ہے
اگر یہ وصل ہو تو
سارا جیون ایک لمحے میں گزرتا ہے
وہ لمحہ جو بہاروں میں عجب رنگینیاں
اور حسن بھرتا ہے
وہ لمحہ سارے جیون کی سندرتا ہے
اگر یہ ہجر ہو تو
ایک لمحہ کتنی صدیوں سے لپٹتا ہے
دلِ ناکام غم کی آگ سے دائم جھلستا ہے
محبت وصل ہو یا ہجر ہو سائیں
محبت درد ہے سائیں
محبت روگ ہے سائیں

## شبِ ہجراں

کبھی آؤ یہاں تم آ کے دیکھو تو!
کہ جب جب شام ڈھلتی ہے
تمھارا غم مرے دل کے نہاں خانوں میں
کیسے کروٹیں لے کر
مرے دل کو مسلتا ہے
کبھی آؤ یہاں تم آ کے دیکھو تو!
کہ جب جب شام ڈھلتی ہے
ستارے، چاند، جگنو، تیرگی شب کی

کسی پُر ہول سناٹے میں ڈھلتے ہیں
اسی پُر ہول سناٹے میں تنہائی
ترے ہجراں کا غم لے کر
کسی زہراب کی صورت
رگِ جاں میں اترتی ہے
دلِ بسمل پہ پھر جیسے
قیامت سی گزرتی ہے
اسی وحشت کے عالم میں
ترے بیمار کی جاناں!
شبِ ہجراں گزرتی ہے

اس قدر مت بڑھا شناسائی
کب محبت کسی کو راس آئی

کس نے ادراک حُسن کا بخشا
آتشِ شوق کس نے بھڑکائی

اِک طرف انتظار کی وحشت
اِک طرف لذتِ شکیبائی

میں تری جیت کے لیے کوشاں
تو مری ہار کا تمنائی

موسمِ ہجر بھی قیامت ہے
آگ سے کھیلتی ہے تنہائی

یہ بھی اعجازِ عشق ہے راشد
عشق ،غارت گری، مسیحائی

اس لیے وقفِ یاس ہے سائیں
زندگی صرف پیاس ہے سائیں

چھاؤں کا ظرف دیکھئے تو سہی
دھوپ جس کا لباس ہے سائیں

گو محبت نہیں ہے راس اسے
دل محبت کو راس ہے سائیں

بُن رہا ہے جو تار ریشم کے
خود دریدہ لباس ہے سائیں

میں بہت دور ہوگیا تم سے
تو مرے آس پاس ہے سائیں

جس کا ڈر تھا وہی ہوا آخر
یعنی تو بھی بدل گیا آخر

سانس لپٹی ہوئی بدن سے ہے
بات کوئی تو اس مزار میں ہے

لوگ کہتے ہیں بھول جاؤ اُسے
بھول جانا بھی اختیار میں ہے!

ایک ہی گھاؤ پر لگا دی ہے
زندگی داؤ پر لگا دی ہے

المیہ ہے کہ اب محبت بھی
وقت نے بھاؤ پر لگا دی ہے

# اعتراف

مری مٹھی میں اِک پل تھا
تمھاری یاد کا اِک پل
وہ پل جب تو نے پہلی بار مجھ کو
مسکرا کے جان دیکھا تو
مجھے ایسے لگا جیسے
ہزاروں جگنوؤں نے
دامن دل میں بسیرا کر لیا ہو
یہی پل میرا جیون تھا
اسی پل کی حفاظت
کتنے برسوں
جسم و جاں سے میں نے بڑھ کر کی
مگر جاناں!
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
مرے جیون میں کوئی اور شامل ہو گیا ہے
مری مٹھی سے وہ پل کھو گیا ہے

## یاد

یہ کیسی دھوپ ہے جاناں
جو صحنِ جاں میں اُترے تو
عجب محسوس ہوتا ہے
کہ جیسے رنگ، خوشبو اور ساون کی
رو پہلی بارشوں میں
تیری چاہت گندھ کے آئی ہو

## دو شعر

جب سے رونا چھوڑ دیا ہے
آنکھ نے سونا چھوڑ دیا ہے
تیرا ہونا ہی کافی ہے
میں نے ہونا چھوڑ دیا ہے

## کبھی ایسا بھی ہوتا ہے!

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
حصولِ خواہش منزل میں
رہرو!
کتنے جنگل اور دریا پار کرتا ہے
جنونِ شوق میں وہ اپنا سب کچھ
ہار دیتا ہے
مگر منزل نہیں ملتی
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے....!!

کب کٹے گا سفر بتا کچھ تو
محتشم راہبر بتا کچھ تو

کوئی امید زخم بھرنے کی
اے مرے چارہ گر بتا کچھ تو

موڑ آتے ہیں راستے میں کیوں
اے مرے ہمسفر بتا کچھ تو

کِس لیے تو اداس پھرتی ہے
زندگی دربدر بتا کچھ تو

# تلخیٔ ایام

وہ جو محفلیں ہی بکھر گئیں
انہیں محفلوں کی تلاش میں
جو بچھڑ گئے سرِ رہگزر
انہیں دوستوں کی تلاش میں
جو گزر گئے تیرے وصل میں
انہیں موسموں کی تلاش میں
میری ایک عمر گزر گئی
میری آنکھ اشکوں سے بھر گئی

# خواہشِ ناتمام

خواہشوں کا جنگل ہے
خواہشوں کے جنگل میں
آدمی بھٹکتا ہے
لاکھ کوششیں کر لے
راستہ نہیں ملتا
خواہشوں کے جنگل میں
دھوپ بھی ہے چھاؤں بھی
دھوپ اور چھاؤں کے

درمیان کانٹے ہیں

ہر قدم پہ یہ کانٹے

دامنِ مسافر کو تار تار کرتے ہیں

زیست کی مسافت کو اشک بار کرتے ہیں

خواہشوں کا جنگل ہے

تشنگی کا جیون ہے

تشنگی کے جیون کا

انت ہی نہیں ہوتا

خواہشوں کے جنگل کے

پار کیسی بستی ہے

بھید ہی نہیں کھلتا

## اے صبا! اسے کہنا

اے صبا! اُسے کہنا
حسن سب بہاروں کا
چاندنی کے سب منظر
وصل کے سبھی موسم
بارشیں محبت کی
آپ کو مبارک ہوں
اے صبا! اسے کہنا
میرے دامنِ دل میں

بے چراغ لمحے ہیں
جن کی تیرگی ہر دم
اور بڑھتی جاتی ہے
اے صبا اسے کہنا
تُجھ کو بھول جانے کا
دکھ بڑا نرالا ہے
بارہا اداسی نے
جیسے مار ڈالا ہے
اے صبا اسے کہنا۔۔۔

بے چراغ رستوں پر
شام پھیل جائے تو
بے چراغ رستوں پر
خوف جاگ اٹھتا ہے

منظر خواب ہوئے جاتے ہیں
خواب عذاب ہوئے جاتے ہیں

کیسے کیسے بہتے دریا
صرف سراب ہوئے جاتے ہیں

تیری جانب جاتے رستے
دیکھ چناب ہوئے جاتے ہیں

عشق ، صداقت ، حسن ، جوانی
سب نایاب ہوئے جاتے ہیں

## کتنے ساون بیتے

کالے نیلے گہرے بادل
جب جب ٹوٹ کے برسے
میری آنکھ کا بھیگا کاجل
تیری دید کو ترسے
کتنے ساون بیتے

## تین اشعار

اگرچہ سیر اب زندگی ہے کنارِ دریا
مگر عجب ایک تشنگی ہے کنارِ دریا

اترتا جاتا ہے چاند کیوں پانیوں کے اندر
وفورِ حیرت میں چاندنی ہے کنارِ دریا

ٹھہر سا جاتا ہے رقص کیوں پانیوں کا آخر
سوادِ شب میں یہ بے کلی ہے کنارِ دریا

زخم ناسور گر نہیں بنتا
درد بھی ہم سفر نہیں بنتا

دردِ دل جب تلک نہ ہو شامل
اشک بھی معتبر نہیں بنتا

گھر کی تعمیر چاہتی ہے وفا
صرف اینٹوں سے گھر نہیں بنتا

آئینے پتھروں میں رہتے ہیں
جب کوئی شیشہ گر نہیں بنتا

باغباں سے یہ پوچھنا ہوگا
پیڑ کیوں باثمر نہیں بنتا

اجنبی اجنبی ہی رہتا ہے
جب تلک ہم سفر نہیں بنتا

تھک گئیں جاگ جاگ کر آنکھیں
شب کی ظلمت تو اب بھی ویسے ہے

فلک سے غم بے حساب آتے ہیں سوچنا ہے
زمیں پہ پیہم عذاب آتے ہیں سوچنا ہے

چمکنے لگتی ہے ریت کیوں پانیوں کی مانند
نظر میں کیونکر سراب آتے ہیں سوچنا ہے

زمیں کا سورج سے فاصلہ گھٹتا جا رہا ہے
زمیں کو کیوں ایسے خواب آتے ہیں سوچنا ہے

بدلتی جاتی ہیں ساری رسمیں، تمام قدریں
کہاں سے ایسے نصاب آتے ہیں سوچنا ہے!

لطیف کومل دعاؤں جیسے سوال کے کیوں!
وہاں سے کورے جواب آتے ہیں سوچنا ہے

تمھارے ہجر کا قصہ ہوں تُو تَو جانتا ہے
تو بحر ہے تو میں دریا ہوں تُو تَو جانتا ہے

مری شکست پہ کوئی منائے جشن مگر
میں اپنے آپ سے ہارا ہوں تُو تَو جانتا ہے

زمانہ مجھ کو سمجھتا ہے سنگِ میل اور میں
تری تلاش کا رستہ ہوں تُو تَو جانتا ہے

تمھارا بارِ امانت اٹھائے سر پر میں
ہجومِ شہر میں تنہا ہوں تُو تَو جانتا ہے

میں تجھ کو بھول چکا ہوں مگر بھلانے میں
میں کیسے کرب سے گزرا ہوں تُو تَو جانتا ہے

تری طلب مری تکمیل کے خمیر میں ہے
ترے بغیر ادھورا ہوں تُو تَو جانتا ہے

## سیلابِ چناب ۲۰۱۴ء

حصارِ تندیِ موجِ چنیں ہیں
قیامت میں یہاں اہلِ زمیں ہیں
نظر کی آخری حد بھی ہے پانی
مکاں باقی ہیں اب نہ اب مکیں ہیں
نگاہیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں اُن کو
مگر وہ بستیاں جو، اب نہیں ہیں
ہماری غفلتیں بھی مجرمانہ
عدو کی سازشیں بھی کم نہیں ہیں
یہی دریا ہیں خوشحالی کے ضامن
یہی دریا محبت کے امیں ہیں

جب تری بندگی میں رہتا ہے
دل عجب روشنی میں رہتا ہے

بحر دریاؤں کو نگل کر بھی
جانے کیوں تشنگی میں رہتا ہے!

ہر گھڑی، ہر قدم نجانے کیوں!
خوف سا زندگی میں رہتا ہے

عشق رہتا ہے عاجزی میں کیوں!
حسن کیوں برہمی میں رہتا ہے!

لوٹ آتے ہیں ہم کبھی نہ کبھی
دل مگر اس گلی میں رہتا ہے

لذتِ درد کا تفاخر بھی
زخم کی تازگی میں رہتا ہے

اس پہ کھلتے ہیں آسماں سارے
درد جب آگہی میں رہتا ہے

## تجھ بن

گاؤں اب بھی ویسا ہے
گاؤں کی فصلیں بھی پہلے جیسی ہیں
گاؤں میں ندی بھی ویسے بہتی ہے
گاؤں کی الہڑ مٹیاریں
اب بھی ویسے
پنگھٹ پر پانی بھرنے کو جاتی ہیں
گاؤں کے چرواہے اب بھی
بنسی کی مدُھر تانوں پر
ہیر کے گیت سناتے ہیں
اب بھی پنچھی شام کو لوٹ کے آتے ہیں
سب کچھ پہلے جیسا ہے
لیکن تجھ بن
سب کچھ بے معنی لگتا ہے

کرچیوں کا وجود کہتا ہے
آئینہ ہاتھ سے گرا ہوگا

کب ترے در سے اٹھنے والے تھے
دانہ پانی ہی اٹھ گیا ہوگا

کب کناروں نے ایسا سوچا تھا
درمیاں ایسا فاصلہ ہوگا

کتنا آساں ہے قتل کرنا بھی
قاتلِ شہر سوچتا ہوگا

دھوپ کا سائبان ہے تو سہی
سر پہ اِک آسمان ہے تو سہی

گرچہ مائل بہ آسماں ہے مگر
خاک کو خاکدان ہے تو سہی

تو ہی تو ہے گُمان میں میرے
گو گُماں ہے گُمان ہے تو سہی

گرچہ اغیار پر نوازش ہے
پر کہیں مہربان ہے تو سہی

ٹوٹا پھوٹا بدن غنیمت ہے
روح کا آستان ہے تو سہی

## پشاور کے شہید طلبہ کے نام (۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء)

آج کیوں کر سفید پھولوں نے
سُرخ پوشاک پہن رکھی ہے

وحشتِ ہجر کا جلال، مجال
الاماں! درد کی دھمال، مجال

مجھ سے تو ہجر نبھ نہیں پایا
خواہشِ وصل کا خیال، مجال

جانِ جاں اور دشمنِ جاں بھی
کون چلتا ہے ایسی چال، مجال

عشق مسدود ہی نہ ہو جائے
حُسن کے روبرو سوال، مجال

ایک لمحہ محیطِ جاں ہے اور
ہیں محبت میں ماہ و سال، مجال

ایک مجبوس ہے طلسمِ حیات
سانس لینا ہوا محال، مجال

کھو گیا چاند بھی، ستارے بھی
شب نے ڈالی ہے وہ دھمال، مجال

حدِ امکان سے باہر بھی نکل سکتا ہوں
میں ترے دھیان سے باہر بھی نکل سکتا ہوں

اتنے پہرے نہ بٹھا دیکھ! مرے چار طرف
میں قلم دان سے باہر بھی نکل سکتا ہوں

دیکھ سکتا ہوں بصارت سے پرے کا منظر
چشمِ حیران سے باہر بھی نکل سکتا ہوں

اے قیامت مجھے اتنا بھی ہراساں مت کر!
تیرے نقصان سے باہر بھی نکل سکتا ہوں

قید رکھتا ہے بھلا کب کوئی زندان مجھے
جسم سے جان سے باہر بھی نکل سکتا ہوں

ضبط لازم ہے مگر ضبط اگر ٹوٹ گیا
عہد و پیمان سے باہر بھی نکل سکتا ہوں

شبِ تاریک سے جو ڈر گیا ہے
سحر ہونے سے پہلے مر گیا ہے

تیرے حصے کا سارا جُرم واعظ
نہ جانے کیوں ہمارے سر گیا ہے

وہ شاید پانیوں کا دیوتا تھا
میری آنکھوں میں دریا بھر گیا ہے

جہاں بھی ڈار سے بچھڑا ہے کوئی
پرندہ کب پلٹ کر گھر گیا ہے

نہیں اک گھونٹ بھی پینے کو پانی
سمندر اور پیاسا کر گیا ہے

عدم کے راستے پر ہر مسافر
بچشمِ تر ، بہت مضطر گیا ہے

تمت بالخیر